قرآن کی دولت

از جناب مولٰنا عبد اللہ العمادی

در آشیان ما پر و بال ہما رسید
ہر جا رسید سایۂ دولت زما رسید

(۱)

قرآن کریم ایک لازوال خزینہ ہے، ایک لافنا گنجینہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس خزانہ عامرہ سے ہم کیونکر فائدہ اٹھائیں، کیا صورت ہو کہ یہ گنج شائیگاں ہمارے حق میں رائیگاں نہ رہے؟ اس سوال کا جواب ہم کو دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم خود اس کے جواب کا اعلان کر چکا ہے۔ سورۂ ص میں ہے۔

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ ۳۸ رکوع ۳ آیت ۲۸)

برکت والی کتاب ہم نے تمہاری طرف اس غرض سے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر و تفکر کریں اور جو عقل رکھتے ہیں اس سے نصیحت پکڑیں۔

سورۂ زمر میں ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ (سورہ ۳۹ ۔ رکوع ۳ ۔ آیت ۲۹)

ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں سب ہی طرح کی مثالیں دی ہیں کہ شاید لوگ نصیحت پکڑیں۔ ایسا فصیح قرآن جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں شاید یہ لوگ اس سے متقی بنیں۔

کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نزول قرآن کی غرض یہ تھی کہ لوگ اس کو پڑھیں، اس کی تعلیمات کا

مفہوم سمجھیں۔ اُن میں غور کریں نصیحت پزیر ہوں۔ اور تقویٰ سے جو تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس کا انتہائی درجہ ہے اپنے آپ کو اپنی قوم کو۔ اپنی قومی معاشرت کو آراستہ بنائیں؟

تمکو بارہا تعجب ہوا ہوگا کہ مسلمان پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ قرآن کا تقدس واحترام اس زمانہ میں بھی مسلمانوں پر حکمراں تھا اور آج بھی ہے۔ نمازیوں سے جب بھی مسجدیں آباد تھیں اور اب بھی کم وبیش ویران نہیں۔ پھر کیا سبب ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کی دینی ودنیوی ترقیات کو۔

آنچہ از مبدء فیاض رسد آن من است

کا دعوٰی تھا اور آج کل کے"

پراگندہ روزی پراگندہ دل

مسلمان تصویر تنزل بنے ہوئے۔

نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔

لیکن اس تعجب کیساتھ تم نے کبھی اس پہلو پر بھی غور کیا کہ بے شبہہ اسلام کا مدار صرف قرآن پر ہے اور قرآن دین ودنیا کی ترقی کا سب سے بڑا حامی ہے مگر جب اس کی تعلیمات سے ہم آگاہ ہی نہیں اور قوم کو اس کا نمونہ بنانے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ تو یہ غرض حاصل ہو تو کیونکر ہو۔

(۳)

صحابہ وتابعین کی ملکی اخلاقی وعلمی فتوحات کا یہ سبب نہ تھا کہ وہ ہم سے زیادہ طاقتور تھے (اصلی سبب یہ تھا کہ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔

(سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا کا نام لیا گیا تو ان کے دل دہل گئے اور جب آیات الٰہی

ان کو پڑھ کر سنائے گئے تو اُن کے ایمان اور بڑھا دئے وہ اپنے پرور دگار ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (سُورۃ الانفال رکوع ۱۔ آیت ۲)۔

یہی چیز تھی جس نے اُن کی قوت ایمانی وسیع کر رکھی تھی اور مغفرت و رزق کریم (عزت و آبرو کی روزی) نے انھیں یقین دلا دیا تھا کہ خدا کی تمام نعمتیں جب ہمارے ہی لئے ہیں تو ہم ان کے حاصل کرنے کے لئے جد و جہد سے بےفکر کیوں رہیں۔

ہم میں اور اُن بزرگوں میں تمام باتیں بظاہر متشابہ ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ قرآن کریم کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے اور اس کا عملی نمونہ بنے ہوئے تھے اور ہم نہ اس کی حقیقت ہی سے آگاہ ہیں اور نہ اس پر عمل ہی کرتے ہیں۔

شقیق بن سلمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ:۔

كان الرجل منا اذا تعلم عشر آيات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن والعمل بهن [1]	ہم لوگ جب قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تو جب تک اُن کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو لیتے اور اُن پر عمل نہ کرتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ [1]

ابوعبدالرحمٰن متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ

تعلمنا القرآن والعمل جميعاً [2]	ہم لوگوں نے قرآن اور اُس پر عمل کرتے رہنے کی تعلیم سب کی سب ایک ہی ساتھ حاصل کی [2]۔

اس تصریح کو دیکھو اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کرو۔

"کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانے کو" قرآن کریم سے جو بیگانگی ہم کو اب ہے اور جس تنزل میں ہم آج مبتلا ہیں اُس کو دیکھتے ہوئے مشکل یقین آسکتا ہے کہ ہم میں بھی کبھی تمدن رہا ہوگا۔ اور اُس تمدن کی بنیاد قرآن نے ڈالی ہوگی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس قطرے کی ہم ایک ننھی سی جان دیکھ رہے ہیں ایک زمانے میں وہی "طوفان در بغل" تھا اور اسی نے دریا میں روانی پیدا کی تھی"

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۲۶ (طبع میمنیہ مصر) [2] ابن جریر صفحہ ۲۷

— ۳ —

اسلام نے جس تمدن سے زمانہ کو روشناس کیا تھا اس کی عمارت قرآن ہی کی بنیاد پر تعمیر ہوئی تھی اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ مسلمان اپنے عہد تمدن میں قرآن کے حقائق و معارف پر زور دیں دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے انتہائی کوشش کے ساتھ اس کی تعلیمات کو پھیلائیں اور ان کے مفہوم کو عام کریں۔ اس غرض کے لئے دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کی بیشمار تفسیریں تالیف ہوئیں جن میں صرف ایک عربی زبان کو لو تو کئی تفسیریں نکلیں گی۔ ان میں بعض تفسیروں کی وسعت بیان نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔

مثلاً:۔ کتاب الاستغناء	شیخ ابو بکر محمد بن علی بن احمد المتوفی ۵۰۷ھ نے ایک سو جلدوں میں یہ تفسیر تالیف کی تھی [۱]
کتاب التحریر والتحبیر	اس کی پچاس سے زائد جلدیں ہیں [۲]
تفسیر ابن الجوزی	ستائیس جلدوں میں ہے [۳]
تفسیر ابن النقیب	کچھ اوپر پچاس جلدوں میں ہے [۴]۔
تفسیر الادفوی	علامہ ادفوی روم کے نامور عالم تھے۔ یہ تفسیر انھوں نے ۱۲۰ جلدوں میں لکھی تھی۔ [۵]
تفسیر الاصبہانی	ابو مسلم اصفہانی جن کی تفسیر کے اقتباسات جابجا تفسیر کبیر میں درج ہیں اور امام رازی اکثر مقامات پر ان کے ثناخوان رہتے ہیں۔ اس تفسیر کے وہی مؤلف ہیں [۶] اس کی تیس (۳۰) جلدیں تھیں۔

[۱] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۹۲۔ (طبع قسطنطنیہ)
[۲] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۲۵۷۔
[۳] ” ” جلد ۱ ” ۳۰۴۔
[۴] کشف صفحہ ۳۰۵۔
[۵] ” صفحہ ۳۰۵۔
[۶] کشف صفحہ ۳۰۶۔

تفسیر سبط ابن الجوزی	تین جلدیں ہیں [1]
تفسیر القزوینی	تین سو جلدوں میں ہے [2]
کتاب الجامع فی التفسیر	تیس جلدوں میں ہے [3]۔
تفسیر حدائق ذات بہجۃ	پانسو جلدوں میں ہے [4]

اس کمال وسعت کو دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ تفسیر قرآن کریم کی موسوعات یا دائرۃ المعارف (سائیکلوپیڈیا) نہ رہی ہوں گی۔ تاریخ میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ کسی کتاب پر اتنی توجہ کی گئی ہو اور اس کے احکام وضوابط کی تحقیقات میں اس قدر شرحیں اور تفسیریں تالیف ہوئی ہوں۔ اور پھر بھی زمانہ کے حقیقت شناس حلقوں سے یہی آواز آرہی ہو کہ القرآن لاتفنی عجائبہ ولا تنقضی غرائبہ (قرآن کے عجائب و غرائب ختم ہونے ہی کو نہیں آتے)۔

—— ۴ ——

قرآن میں اخلاق بھی ہے اور فلسفۂ اخلاق بھی لیکن انداز بیان اس قدر دل آویز دلنشین ہے کہ ان علوم کو خواہ کوئی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو مگر طبع سلیم کا یہی اقتضا رہتا ہے کہ آیات قرآنی کان تک پہونچیں اور دماغ سے ہوتی ہوئی دل میں گھر کرلیں۔ ابتدائی صدیوں کے مفسروں اور ان کی تفسیروں کو دیکھو۔ اُن میں نہ منطقی دلائل ہیں۔ نہ فلسفی اصطلاحات ہیں۔ نہ علوم ہیأت و ریاضت وطبیعت کے زور سے استدلال کو طاقتور بنانے کا شائبہ ہے، صاف صاف باتیں ہیں اور عملی پہلو لئے ہوئے ہیں۔

---

[1] کشف صفحہ ۳۰۹۔
[2] کشف صفحہ ۳۱۴۔
[3] کشف صفحہ ۳۸۶۔
[4] کشف صفحہ ۴۲۱۔

شقیق بن سلمہ اور ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب نے اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا۔ ابن عباسؓ نے خطبۂ حج کو اس انداز سے بیان کیا اور سورۂ نور کی اس طرح تفسیر فرمائی کہ کفار ترک و روم اگر اسے سنتے تو مسلمان ہو جاتے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ کی ایک مرتبہ ایسی معنی خیز و موثر تفسیر کی کہ ایک شخص بے اختیار چلا اٹھا کہ لو سمع ھٰذا الدیلم لاسلمت (کفار دیلم اگر اس کو سنتے تو یقیناً مسلمان ہو جاتے)[1]

یہ صرف خیال ہی خیال نہ تھا بلکہ واقع میں نامسلمان قوموں کو جب کبھی تعلیمات قرآنی کے سننے اور سمجھنے کا اتفاق ہوتا پھر ان کے مسلمان ہو جانے میں کوئی تامل نہ رہ جاتا۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ متاخرین نے افسوس ہے کہ یہ خصوصیت بالکل ترک کر دی۔

(۵)

آجکل کی تفسیروں میں تعیین معانی و بیان کے دقائق بھی ملیں گے حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں بھی آئیں گی۔ ہر ایک بات میں پیچیدگی و مشکل پسندی و عجائب پرستی کا طومار بھرا ہوا ہوگا۔ مگر ان چیزوں میں جتنی زیادتی ہوتی گئی۔ اتنی ہی اس خصوصیت میں کمی آتی گئی جس سے منشار قرآن وابستہ تھا۔

اس سے بھی زیادہ مقام تاسف یہ ہے کہ بڑی بڑی تفسیروں میں ایک ایک آیت کے لئے متعدد مطالب اور مختلف روایتیں مذکور ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔ کیونکہ اگلے وقتوں میں بزرگوں کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ آیات کے مفہوم میں جتنے اقوال منقول ہوں یا ہو سکتے ہوں ناظرین کے روبرو وہ تمام باتیں پیش کر دی جائیں اور ہر ایک سخن شناس نظر کے لئے یہ موقع حاصل رہے کہ اصول تفسیر کی مدد سے ان اقوال میں سے جو حق ہے اس کو محکم اور جو باطل ہے اس کو زاہق بتا سکے۔ یہی نکتہ ہمارے پیش نظر ہے۔ راست راست بے کم و کاست

ہزار نکتۂ باریکتر ز مو این جاست

اس کی تشریح کے لئے آئندہ اشاعتوں کا انتظار کیجئے اگرچہ یہ موہبت الٰہی آپ کے اپنے وقت پر فیض پہونچانے والی ہے، انتظار کی ضرورت ہی نہیں۔ چو وعدہ نہ رسد او خود بیاد خواہد داد

بذوق خویش سر راہ انتظار مگیر

[1] ابن جریر جلد اصفحہ ۲۷